Vol 5 No.2 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

ارشد چہال کے ناول "دھندلے کوس" میں علاقائی ثقافت اور زبان کے اثرات

محمد طارق انصاری[1]

ڈاکٹر ریاض حسین بلوچ[2]

Abstract:
The influence of regional language and culture is significant in Arshad Chehal's Novel, Dhoondhly Koos, being the greatest genre of Urdu language has a greater capacity of linguistic content and cultural commentary than other genres of urdu language. There, we can maintain that Pakistani urdu novel has the impacts of regional languages and culture. Due to its cultural and civilizational aspects, urdu language has an ability of expansion. The living and progressive languages have the capacity to absorb new words. This process of comprehension and acquisition synchronizes the language with the new times. Therefore, the adoption of modern, terms of science and arts helps expansion. Evolution has been innate in urdu since its inception with the espousal of words of regional languages, people of different area can come closer. As human beings, divided into different tribes and families, are in contact with each other; likewise, the language; being apart, have deep concern amongst them.
Key words: *Fiction, Novel, Infuence of regional language and culture, Expansion of Language*

کلیدی الفاظ: ادب، ناول، علاقائی زبان اور ثقافت کے اثرات، زبان کی وسعت،

ادب کسی نہ کسی ثقافت کا وسیلہ اظہار یا عکاس ہوتا ہے۔ تمام اصناف ادب کسی بھی ثقافت اور زبان کی ترجمانی اس صورت میں زیادہ بہتر کر سکتے ہیں۔ جب وہ کسی خاص دھرتی سے جڑے ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں ارشد چہال کا ناول "دھندلے کوس" اس جغرافیہ، ثقافت اور زبان کو بھی بیان کر رہا ہے۔ جس علاقے کی کہانی پیش کی جا رہی ہے۔ یہ ناول پاکستان کی ثقافت کے تناظر میں دریائی اور صحرائی علاقے میں رہنے والے باگڑی، گیدڑی قبائل اور چک شیر اں کے لوگوں کی ثقافت کی عکاسی کرتا ہوا ایک منفرد ناول ہے۔ ارشد چہال کا ناول "دھندلے کوس "لاہور اسلام آباد کی شہری زندگی کے ساتھ ساتھ بیک وقت تین علاقوں کی ثقافت کو پیش کرتا

ہے۔ بہاول پور کے قریبی صحرا روہی (چولستان) میں رہنے والے گیڈری قبیلے کا طرز حیات، بار کے علاقے دھرت پور، جھیل ملکھ کے قریبی گاؤں ٹاہلی میں رہنے والے باگڑی قبیلے کا طرز حیات اور دریائے چناب کے کنارے آباد علاقے شاہ پور، چک شیر اں کی زندگی کو ناول کا موضوع بنایا ہے مصنف نے جہاں تبدیل ہوتی ہوئی ثقافت کو پیش کیا ہے وہاں ان کا کہنا ہے کہ بعض علاقوں اور وہاں رہنے والوں کی ثقافت جمود کا شکار ہے بالکل ایسے جیسے جانور، حشرات وغیرہ مثلاً شہد کی مکھی ہمیشہ سے ایک کلچر کی پابند ہے روہی میں رہنے والے گیڈری قبیلے کے لوگ اور دھرت پور جھیل ملکھ کے قریبی گاؤں ٹاہلی (بار کا علاقہ) کے باگڑی قبیلے کے لوگ ابھی تک جانوروں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ (روہی میں شکار کر کے جب ناول کا کردار شہباز خان اس بستی میں پہنچتا ہے تو)

"ابھی وہ بستی سے باہر ہی تھے کہ کچھ کتوں اور کچھ بچوں نے مل کر بھونکتے ہوئے اور چیختے ہوئے ان کا استقبال کیا"(1)

یعنی اگر مجموعی طور پر گیڈری قبیلے کی معاشرت اور ثقافت کو دیکھیں تو یہ منظر نامہ بنتا ہے۔

۱۔ پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اُردو، دی اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور۔

۲۔ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، دی اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

- گھاس پھوس کے گھر
- چھپر ڈھارے
- باڑ لگا کر حدود کا تعین
- ریگستان
- پانی کی قلت
- گرمی، سردی کی شدت
- پُر مشقت زندگی
- ننگ دھڑنگ بچے
- مکھیا(بستی کا سردار)
- بھیڑیا، گیدڑ، کرلے، سہہ، سور کا شکار کرنا، اور ان جانوروں کا گوشت کھانا
- اونٹ کی مدد سے کنوئیں سے پانی نکالنا

ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے جانوروں کی طرح اس قبیلے کے انسانوں نے بھی خود کو ماحول کے مطابق ڈھال لیا ہے ریگزار کی طرح اس قبیلے کی زندگی بھی بے رنگ اور پھیکی ہی ہے۔ زندہ رہنا ہی ان لوگوں کا مذہب اور سعی ہے۔ نہ ان کی زندگی اہم نہ موت ایک جیسے شب وروز، زمانے کی ترقی، سائنس کی ایجادات سے کوسوں دور، یہ لوگ ایک طرح سے جمود کا شکار ہیں ریت کے ٹیلے، آندھیاں، صحرائی پودے پھوہ، لائی کی خوشبو، دھماں، گورکھا، بھیل بھکڑ کی جھاڑیاں اور روہی میں پائے جانے والے جانور، جغرافیائی خدوخال کے ذریعے اس ناول کے بیانیے میں شامل ہوئے ہیں۔ اس قبیلے کا کوئی مذہب نہیں۔ ان کے مخصوص قسم کے نام ہیں مثلاً کوریا، سانولی، جینو، مرجو، لاری، خانو، بھاتو، حاکو، لکھو وغیرہ۔ بعض روایات کے مطابق یہ لوگ اس دھرتی کے اصل باشندے ہیں جن کو آریاؤں نے غلام بنایا یا مار بھگایا۔ یہ لوگ صحراؤں میں آن بسے اور صرف وہی کچھ شکار کرتے ہیں اور کھاتے ہیں جس سے باقی لوگ کراہت کرتے ہوں یا حرام سمجھتے ہوں۔

دوسرا قبیلہ باگڑی قبیلہ ہے جو ملکھ جھیل کے پاس ٹاہلی گاؤں میں رہتا ہے۔ یہ لوگ اونٹ پالتے ہیں اونٹوں کو سدھاتے ہیں۔ جانوروں کے ریوڑ اور جنگل کی لکڑی فروخت کرنا ہی ان کا ذریعہ معاش ہے۔ یہ مسلمان قبیلہ ہے شہر میں لکڑی فروخت کر کے یہ آلو، پیاز یا گڑ خرید لیتے ہیں اور پھر ان چیزوں کو گاؤں گاؤں بیچتے بھی ہیں۔ ان کے ہاں بھی عورت کی زندگی اجیرن ہے جیسے یہ اونٹوں کو مار مار کے سدھاتے ہیں۔ عورتوں کو بھی ایسے ہی مارتے ہیں۔

"اونٹوں کے ساتھ رہتے ہوئے سارے باگڑی خود بھی اونٹ ہوگئے ہیں"(2)

عورت گھر کے کام کاج کے علاوہ جانوروں کا چارہ بھی لاتی ہے اور برساتی نالے کی ریت کھود کر (چوئے سے) پانی بھر لاتی ہے بار کے علاقے کے اس گاؤں کے جغرافیائی منظر نامے میں دھریک، کیکر کے درخت، سونچل، گنڈھار اور تاندلا گھاس برساتی نالے، چٹانیں کن بیروں کی گھنی جھاڑیاں، سرکنڈوں کے سفید پھول، کچے مکان، ڈھارے، پالتو مرغیاں اور بکریاں، مست اونٹ، ملکھ جھیل پر پرندے شامل ہے۔ باگڑی قبیلے کے لوگ گیدڑی قبیلے کے لوگوں سے نسبتاً بہتر زندگی گزار رہے ہیں لیکن زندگی پر مشقت ضرور ہے مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کے نام گیدڑی قبیلے کے ناموں سے مختلف ہیں پیرو(پیر بخش)، نابو(نواب بی بی)، خانو(خان محمد)، وغیرہ نوجوان جب مل بیٹھتے ہیں تو بولیاں گاتے ہیں۔

"کیہڑے یار دے جیھے دے وچ آئیوں
تے مچھلی نوں چپ پے گیا جند میریئے"

Vol 5 No.2 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

"او بوہتے رون گے دلاں دے جانی
ماپے تینوں گھٹ رون گے نی جند میریئے"

دونوں علاقوں کی علاقائی ثقافت کے مطابق لباس اور زیورات کا ذکر بھی موجود ہے۔ مثلاً تو تیڑی، کنگن، بولا، ہسی، پوپا وغیرہ۔ مذہب کے فرق کی وجہ سے باگڑی قبیلہ کھانے میں حرام حلال کی تمیز رکھتا ہے۔

بقول آصف محمود:

"اس ناول میں پاکستانی علاقائی ثقافت کے تناظر میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے کرداروں کے رویوں کا نفسیاتی رد عمل پیش کیا گیا ہے"۔(3)

اس ناول میں دیہات اور شہر میں رہنے والے عام لوگوں کے ساتھ ساتھ جاگیر داروں اور پیر گھرانوں کی معاشرت اور سوچ کو بھی بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ صنعتی انقلاب کے بعد منظر بدل رہا ہے اور ثقافت کی انفرادیت ختم ہو رہی ہے یعنی گلوبل ویلج میں سب لوگوں کی ثقافت ایک جیسی ہو رہی ہے۔ آئندہ منفرد ثقافت غیر ترقی یافتہ علاقوں کی ہو گی ثقافت میں ہونے والی تبدیلیوں کو ہم چاہتے ہوئے بھی روک نہیں سکتے۔

ناول "دھندلے کوس" میں ارشد چہال نے ثقافت کی وضاحت کے لیے ناول کے کردار شہباز خان کے ذریعے ایک طویل بحث کی ہے ان کا خیال ہے ہماری تاریخی اور ثقافتی سرحدوں کا ماضی اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے کبھی ہم علاقائی ثقافت پر فخر کرتے ہیں اور کبھی ہم اسے اسلام کے منافی قرار دیتے ہیں۔ کبھی ہم اپنا تاریخی وجود عربوں کی تاریخ میں ڈھونڈتے ہیں۔ کبھی ہندوؤں کی تاریخ میں، کبھی ہم اپنی ثقافت کا ماضی گندھارا اور ٹیکسلا کے کھنڈرات میں ڈھونڈتے ہیں۔ ہم نظریاتی سطح پر الجھنوں کا شکار ہیں۔ مذہبی نظریے کے مطابق ہمارا تہذیبی ورثہ مورتیاں اور وہ برتن کیسے ہو سکتے ہیں؟ جو کھنڈرات سے نکلے ہیں۔ جبکہ علاقائی ثقافت انھی کھنڈرات سے جڑی ہے۔ دوسری طرف مصر کے مسلمان فراعنہ مصر کو اپنے ثقافتی ورثے کے طور پر سنبھالے بیٹھے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد ہم نظریاتی تضاد اور الجھنوں کا شکار ہوئے ہیں ثقافت انسانی وسائل کے حصول کا ذریعہ ہے ابتدائی دور کے ثقافتی نمونے یادگار ہیں۔ تاکہ ہم اندازہ لگا سکیں کہ ہم نے ہزاروں سال کے ثقافتی سفر میں کتنی ترقی کی ہے۔ ہر جاندار کا اپنا ایک کلچر ہوتا ہے۔ لیکن انسان کے علاوہ ہر جاندار کا کلچر متعین ہے۔ انسان کے پاس دماغ اور سوچ ہے وہ پتھر کے زمانے سے کمپیوٹر کے دور میں پہنچ گیا ہے۔ ثقافتی سرگرمیوں کو گلیمرائز (Glamorize) کرنے کی بجائے مسائل کی نشاندہی ہونی چاہیے۔ ہمارے دانشور پسماندہ علاقوں کے مسائل کی بجائے لوک موسیقی، لباس، شاعری، علاقائی دستکاری اور رقص کی نمائش منعقد کر کے اپنے فرائض سے عہدہ برا ہو جاتے ہیں۔ چرخے کو ثقافت سمجھتے ہیں اور چرخہ کاتنے والی کے بارے میں کوئی خیال نہیں ہے یعنی ارشد چہال ایسی ثقافت دیکھنا چاہتے ہیں جو اپنے وسائل کو بروئے کار لا کر ترقی کر کے آگے بڑھے ان کے بقول انسانی ملکیت کی حد مقرر ہونی چاہیے۔ کیونکہ وسائل چند ہاتھوں میں سمٹ جانے سے ثقافتی ترقی رک جاتی ہے ثقافت اور تہذیب کا سفر رکنا نہیں چاہیے مہذب معاشرہ اور فرد اپنے اندر نت نئی نفاستیں دریافت کرتا رہتا ہے۔

"کلچر کی اثراندازی ذہنی طور پر بھی ہوتی ہے عقائد اور اقدار کے ذریعے بھی۔ زندگی کے ادب ورسوم سے اور زندگی کے روزمرہ کا جو محاورہ ہے اس کے ذریعے بھی۔ اس میں اجتماعی زندگی کے ظاہری اور باطنی تفاصیل دونوں شامل ہیں۔ فنون، ادب، موسیقی، مصوری، فلم وغیرہ اس کلچر یا Way of Life کے ارادی ترشے ہوئے اور منجھے ہوئے اجزا ہوتے ہیں۔ مگر ان دونوں کو یعنی کلچر اور فن کو ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیے فن کلچر کا مظہر ہوتا ہے۔ اور کلچر پورا طریقہ زندگی"۔(4)

ثقافتی تبدیلی کے سفر میں ہمیں بعض اوقات پرانی رسموں اور روایتوں کے ختم ہونے پر دکھ بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس ثقافتی تبدیلی کو ہم روکنے سے قاصر ہیں۔ ناول کا کردار بڑا خان (سرفراز خان) اپنی خاندانی روایات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ جاگیر اور زمینوں کی دیکھ بھال، قلعہ نما فصیلوں میں گھری راجگی حویلی اس کے لیے باعث فخر ہے۔ پرانے طرز کی تعمیر، فرنیچر، چنیوٹی پیڑھے، قالین، حنوط شدہ جانوروں کے سر اور پرندے، جنگی ہتھیار، عالی شان دعوتیں، جشن، حویلی کے لان پھلواری، پودے پھول

Vol 5 No.2 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

وغیرہ۔ سر فراز خان کے نزدیک خاندانی روایات اور تاریخ ہیں۔ اور انہی سے ان کے خاندان کا رعب اور مرتبہ قائم ہے۔ سر فراز خان کڑھائی کی ہوئی بوسکی کی قمیض، خاندانی پگڑی اور چاندی کی تاروں والا کھسہ پہنتا ہے۔ لیکن دوسری طرف نئی نسل اس کا بیٹا ان باتوں سے متنفر ہے۔ جشن کے موقع پر سر فراز خان اپنے بیٹے سے کہتا ہے۔

"آفاق تم پگڑی نہیں پہنو گے"

سر فراز نے پٹوں کو کنگھی سے جماتے ہوئے کہا

"بابا اور تو کوئی لڑکا پگڑی پہنتا نہیں"

آفاق نے منہ بنا کر کہا"۔(5)

سر فراز خان ابھی تک اپنے خاندانی نائی خوشی محمد سے شیو بنواتا ہے اور اسی کے ذریعے علاقے کی خبر رکھتا ہے۔ اور پیغام بھیجتا ہے۔ یہ نائی خوشی محمد بھی اپنی رچھانی کے ساتھ حاضر ہوتا ہے لیکن اب یہ کردار ختم ہو رہا ہے۔

جبکہ سر فراز خان کا بھائی دلنواز جو کہ شوگر مل لگا چکا ہے اور وہ جاگیر اور زمین داری سے نالاں ہے۔ راجگی حویلی کا طرز تعمیر اسے پسند نہیں وہ اسے پتھر کے زمانے کی حویلی سمجھتا ہے اور شہری زندگی اور جدید ٹیکنالوجی کو پسند کرتا ہے۔ سر فراز خان ہر سال اپنے خاندان کی تاریخی حیثیت کے پرچار کے لیے جشن کا اہتمام کرتا ہے۔ بگل، طبل کی آوازوں میں خاندانی تلوار کی نمائش کی جاتی ہے اور منظوم تاریخ پڑھی جاتی ہے۔ راجگی کے بھاٹ خیر دین نے تلوار کے پاس کھڑے ہو کر وار پڑھنا شروع کی۔

"تے گجن خان اسوار دے میدانیں گھوڑے

تے اس دے باجھوں کیہڑا منہ سنگھ دا موڑے"(6)

جس حویلی اور جاگیر کو گجر سنگھ کی توپیں اور لشکر نہ مار سکے اس حویلی کو اسی حویلی کے ایک فرد نے مار دیا۔ کیونکہ دلنواز خان جاگیر کی بجائے صنعت اور دیہات کی بجائے شہر میں رہنے کا خواہش مند ہے۔ اسے راجگی کا نقشہ، طرز تعمیر اور مشترکہ خاندانی نظام پسند نہیں۔ دوسرا بھائی شہباز خان بڑے بھائی کی خواہش کے مطابق سیاست نہیں کرنا چاہتا۔ راجگی حویلی کی فروخت کی باتیں ہو رہی ہیں۔ شکار کی بجائے جنگل کے تحفظ کی باتیں موضوع بحث ہیں۔

"لیکن آج ان سب کی دیکھ بھال کرنے والا، ان کی تواضع کرنے والا، ان سے منہ موڑ کر ایک طرف رنگین پایوں والی چار پائی پر سو رہا تھا"۔(7)

اس ناول میں بڑے خان کی موت اصل میں ایک عہد کا خاتمہ اور نوحہ ہے۔ اور پرانی طرز تعمیر کی شکست ہے۔ جدیدیت سائنس کے ثمرات اور جاگیر داری نظام کے خاتمے کی ابتدا ہے۔ رنگین چار پائیوں، کھیس، کھسوں اور پگڑی کی ثقافت کے خاتمے کا اعلان ہے۔

انسان کی انفرادی اور معاشرتی زندگی کی تمام مساعی کو اگر ایک بیانیے میں سمو دیا جائے تو ناول بن جاتا ہے۔ اصناف نظم و نثر میں یہ واحد صنف ہے جہاں زبان میں ہر طرح کے تنوع اور تغیر کے امکانات موجود ہوتے ہیں۔ اردو ناول کی عمر ڈیڑھ سو سال سے زیادہ نہیں ہے اس مختصر عرصے میں جہاں برصغیر میں فکری اور سماجی سطح پر رونما ہونے والے رجحانات و انقلابات یا تو بلاواسطہ طور پر اردو ناول کا موضوع بنے ہیں۔ یا پھر اردو ناول کے موضوعات کو بنیاد فراہم کرتے رہے ہیں۔ وہاں علاقائی زبانوں کے ساتھ اردو زبان کے اخذ و اکتساب کا عمل بھی جاری رہا ہے۔ زبان موروثی نہیں ہوتی بلکہ یہ ماحول کی دین ہے۔ ناول کے بیانیے کا خمیر جس علاقے سے اٹھایا جاتا ہے اس علاقے کی زبان غیر دانستہ طور پر اس ناول کے بیانیے میں شامل ہو جاتی ہے اور جب خود تخلیق کار کا تعلق بھی اس علاقے سے ہو تو یہ عمل لاشعوری طور پر خود بخود ہوتا چلا جاتا ہے۔

"فنی ابلاغ اظہار کی ایسی صورت کا نام ہے جو صرف گرامر، منطق یا اصول لسانیات سے ممکن نہیں"(8)

ارشد چہال کے ناول "دھندلے کوس" میں علاقائی زبان کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مصنف نے اس ناول میں بہاول پور سے جڑے ریگستان روہی (چولستان) کے گیدڑی قبیلے بار کے علاقے دھرت پور اور جھبیل ملکھ کے قریبی گاؤں ٹاہلی کے باگڑی قبیلے اور دریائے چناب کے کنارے شاہ پور، چک شیر اں کی زبان کو پیش کرنے کی

Vol 5 No.2 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

کوشش کی ہے۔ اس ناول میں دوعلاقوں کی زبان کے الفاظ بہتر انداز میں ناول کے بیانیے میں شامل ہوئے ہیں۔ لیکن سرائیکی زبان کو وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے بیانیہ کا حصہ نہیں بنا سکے۔ مثلاً ناول کے ایک کردار کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اللہ وسایا نے سمجھاتے ہوئے سرائیکی میں کہا"۔(9)

سرائیکی زبان کا لہجہ پنجابی زبان کے سارے لہجوں سے مختلف ہے۔ مصنف سرائیکی زبان کی مٹھاس اور دل کشی کو محسوس کرنے کے باوجود ان الفاظ اور اصوات کو پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ سرائیکی صوتی اعتبار سے سندھی زبان کے زیادہ قریب ہے۔ سرائیکی زبان ایک قدیم اور الگ زبان ہے اور اس کے اپنے علاقائی لہجے ہیں۔ باگڑی قبیلے اور گیدڑی قبیلے کی زبان میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں سرائیکی زبان کے ذیلی لہجے ہیں۔ مثلاً مصنف نے لفظ "بھوچن" استعمال کیا ہے۔ اصل میں لفظ "بوچھن" ہونا چاہیے بلکہ صوتی اعتبار سے "ن" کی تیسری آواز جس میں "ڑ" کی آواز آنی چاہیے۔ بعض حضرات اس "ن" کے اوپر "ط" لکھتے ہیں اس لفظ کو بولتے ہوئے (بوچھن) "بوچھنڑ" کی آواز ہونی چاہیے۔ اسی طرح لفظ "کھندویلیاں" بھی اصل میں "گِندولیاں" ہے سرائیکی اور سندھی میں اس کو بطور واحد "گندی" بولا جاتا ہے۔ جسے سندھی میں "رلی" اور پنجابی میں "جُلی" بھی کہتے ہیں۔

ماضی میں عربی کو مدِ نظر رکھ کر اصلاح زبان کا جو کام ہوا ہے اس میں حروف تہجی کی بعض آوازوں کو ختم کر دیا گیا۔ جس سے مقامی زبانوں کو نقصان ہوا۔ خاص طور پر سرائیکی کی آوازیں مثلاً ب۔ ڈ۔ ج۔ ن مصنف نے ناول کے ایک کردار کا مکالمہ لکھا ہے۔(صفحہ نمبر 74) "ٹٹ پیناں دن کو بھی نہیں چھوڑتا" ٹٹ پیناں پنجابی کا روزمرہ ہے۔ سرائیکی میں اس کے لیے "ترٹ مویا" بولا جاتا ہے۔ اسی طرح "مرن جوگیا" بھی "مرن جوگا" ہونا چاہیے لفظ "چلھیانی" بھی "چلھانی" بلکہ "ن" کی آواز کے ساتھ "چلھانڑیں" ہونا چاہیے کیوں کہ اردو کا لفظ "چولھا" سرائیکی میں مؤنث ہو کر "چُلھ" بولا جاتا ہے۔ مصنف نے پنجابی زبان کے الفاظ کو زیادہ آسانی اور درست تلفظ سے اردو میں سمویا ہے۔ مثلاً

"یہ تو بڑی پکی تھاں ہے"

"سوچیں پیا تے بندہ گیا"

"کنویں پر چارے کے ساتھ ہی بیج دیا تھا"

آخری جملے میں مصنف نے "بیج دیا" کا استعمال اس طرح کیا ہے کہ اوپرا نہیں لگتا۔ جبکہ اردو میں اسے کاشت کر دیا تھا یا اُگا دیا تھا ہونا چاہیے تھا۔ سرائیکی زبان کو درست لہجے یا آواز کے ساتھ نہ لکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سرائیکی علاقوں میں اشاعت کے ادارے نہ تھے اور قریبی مرکز لاہور تھا اور وہاں پنجابی زبان کا چلن تھا۔ جس کی وجہ سے سرائیکی لفظ بھی پنجابی آواز (لہجے) میں لکھے گئے۔ سرائیکی زبان کی کچھ آوازیں ایسی ہیں جن کو پنجابی زبان بولنے والے ادا نہیں کر سکتے مصنف کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہے۔ اس لیے اس ناول میں سرائیکی زبان کے صرف اسماء اور جغرافیائی خدوخال ہی ناول کے بیانیے کا حصہ بن سکے ہیں جبکہ دیگر دونوں علاقوں کی زبان کے الفاظ محاورے، اسماء اور علاقائی ثقافتیں بنیادی لسانی ذرائع سمیت بیانیے میں شامل ہوئے ہیں۔ ناول کے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

"اللہ وسایا نے شہباز خان کے کمرے میں جھانک کر سرائیکی لہجے میں کہا"۔(10)

علاقائی بولیاں اپنے وطن اور قوم کے جذبات و احساسات کی ترجمان ہوتی ہیں۔ لیکن جب یہی بولیاں ادبی قوت تخلیق کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں تو پھر زبان کے "ادب عالیہ" کا منصب حاصل کر لیتی ہیں۔ زندہ زبانیں ہمیشہ دوسری زبانوں سے اخذ و اکتساب کا عمل جاری رکھتی ہیں۔

آزادی کے بعد ناول وہ واحد صنف ہے جس میں پاکستانیت اپنے تمام خدوخال کے ساتھ موجود ہے۔ پنجاب، سندھ، بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں لکھے جانے والے ناول میں علاقائی زبانوں کی ہر طرح کی اثر پذیری اور مقامی ثقافت بہت نمایاں ہے۔ علاقائی زبان کے الفاظ، خطے کا رنگ اور ثقافت، زبان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں رہنے والے لوگوں کا اردو لہجہ ایک دوسرے سے مختلف نظر آتا ہے۔

Vol 5 No.2 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

کسی بھی فن پارے میں علاقائیت کا ہونا فطری بات ہے۔ خود مصنف کی مادری زبان کا اثر اس کی تخلیق پر ضرور ہوتا ہے۔ پنجابی علاقے میں اگر میڈیا یا تجارتی زبان اردو ہے تو یقیناً پنجابی کلچر اور زبان کا اثر اردو زبان پر ہو گا۔ زبان کو حاکم اور محکوم کے حوالے سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ کیونکہ عوامی سطح پر سائنس کے ثمرات کی وجہ سے ثقافت اور زبان زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ ثقافت میں سائنس کی بدولت ہونے والی تبدیلیوں سے نئے الفاظ زیادہ تیزی سے ماحول اور زبان کا حصہ بنتے ہیں۔ بڑی زبانوں میں لچک ہوتی ہے۔ اور وہ الفاظ کا ذخیرہ بڑھاتی ہیں۔ بعض اوقات بولیاں نہیں بدلتیں بلکہ ان کا لہجہ بدل جاتا ہے۔ اور بعض اوقات الفاظ کا نعم البدل نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے دنیا کی ہر زبان میں ایک ہی لفظ یا اسم رائج ہو جاتا ہے۔ مثلاً ٹیلی ویژن، ریڈیو، کمپیوٹر وغیرہ۔

ارشد چہال کے ناول "دھندلے کوس" میں بھی علاقائی زبان کے الفاظ کا شامل ہونا اصل میں بہتر ابلاغ کی کوشش ہے۔ بعض جگہوں پر علاقائی زبان کے الفاظ کا استعمال ان کی شعوری کوشش ہے اور بعض جگہوں پر لاشعوری طور پر یہ الفاظ ان کے بیانیے کا حصہ بن گئے ہیں۔ اردو زبان کی یہی خوبی ہے کہ اس میں لچک ہے اور دیگر زبانوں کے الفاظ اپنے اندر سمو لیتی ہے۔

> "اردو ایک ایسے جلوس کی شکل میں رواں دواں ہے جو لشکر کی طرح ہر ہر بازار سے گزرتا ہے بہ قدر ضرورت سیر اب بھی ہوتا ہے۔ اس میں دیگر زبانوں کے علم بھی جابجا لہراتے نظر آتے ہیں"۔(11)

ناول نگار کی فنی چابکدستی یہی ہے کہ وہ قاری کو اس ماحول، زمانے اور زبان و ثقافت کے اندر لے جائے جس علاقے کا قصہ وہ بیان کر رہا ہے۔ قاری خود کو کرداروں کے درمیان محسوس کرے اور مصنف جو کچھ کہنا چاہتا ہے وہ پیغام قاری تک پہنچ جائے اور جس زندگی کو مصنف پیش کرنا چاہتا ہے وہ زندگی اپنے تمام مناظر کے ساتھ واضح ہوتی چلی جائے۔

بقول نگینہ گل۔

> "گویا اصل چیز نہ زبان کے اصولوں کی کامل پیروی ہے نہ ان سے مکمل انحراف بلکہ فن کی اصل غایت ابلاغ ہے"۔(12)

ذرائع ابلاغ اور مواصلات کی ترقی نے زبان کو یکسر بدل دیا ہے۔ عوام کی زبان کا بدل جانا انوکھی بات نہیں۔ جب سے اردو نے انگریزی اور علاقائی زبانوں کے الفاظ کو قبول کرنا شروع کیا ہے۔ ہمارا سارا ادب اسی رنگ میں لکھا جا رہا ہے۔ خاص طور پر پاکستانی اردو ناول میں زندگی اپنی ہمہ رنگی کے ساتھ موجود ہے۔ اور ناول میں پاکستانی ثقافت اور زبانوں کے سارے رنگ دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً شوکت صدیقی کے ناول "جانگلوس" کالوکیل (Locale) اتنا وسیع ہے کہ تقریباً ہر علاقے کی زبان اور کلچر کا نمائندہ ناول بن گیا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کی تحریروں میں پنجاب کا رنگ واضح محسوس کیا جا سکتا ہے۔ محمد خالد اختر کی تحریروں میں جنوبی پنجاب کے سرائیکی خطے کی زبان اور کلچر کو دیکھا جا سکتا ہے۔ عبداللہ حسین کے ناول "اداس نسلیں" زبان کے حوالے سے نیا اسلوب / انداز ہے۔ مرزا اطہر بیگ کے ناول "صفر سے ایک تک" کی زبان اردو اور علاقائی ہونے کے ساتھ ساتھ جدید کمپیوٹر کی زبان ہے۔ اور شاید آنے والے زمانے میں یہی اردو کی جدید شکل بن جائے۔ زبان علاقائی تشخص کی ترجمان ہوتی ہے قومی زبان اردو، قومی یکجہتی اور رابطے کا فریضہ احسن طریقے سے نبھا رہی ہے لیکن علاقائی زبانوں کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ بقول عظمیٰ سلیم

> "پاکستان جغرافیائی طور پر انتہائی خوب صورت خطہ ارض ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف النوع خصوصیات بھی رکھتا ہے۔ مثلاً کہیں دریا تو کہیں ریگستان۔ کہیں جنگل تو کہیں پہاڑ۔ غرض ہر طرح کے نظارے اس جنت ارضی میں موجود ہیں۔ اسی طرح ان حسین وادیوں میں نوع بہ نوع لوگ بھی بستے ہیں جو مختلف زبانیں اور ان کے مختلف لہجے اپنائے ہوئے ہیں یہی رنگارنگی پاکستان کے جغرافیائی محل وقوع کی ثقافت کو رنگینی عطا کرتی ہے"۔(13)

اس ناول میں مصنف نے ابلاغ کو بہتر بنانے کے لیے علاقائی زبانوں کے الفاظ کو بھی اپنے بیانیے کا حصہ بنایا ہے۔ اردو زبان میں علاقائی زبانوں کے الفاظ کا شامل ہونا دانستہ اور غیر دانستہ دونوں طرح سے ہو سکتا ہے۔ مصنف کا تعلق جس علاقے سے ہوتا ہے وہاں کی علاقائی زبان کے الفاظ لاشعوری طور پر شامل ہوتے چلے جاتے ہیں جبکہ جس علاقے کی ثقافت، کردار اور منظر مصنف پیش کرنا چاہتا ہے۔ وہاں وہ شعوری طور پر علاقائی زبان کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ بعض اوقات ان الفاظ کا متبادل نہیں ہوتا اور بعض

Vol 5 No.2 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

اوقات کسی کردار کا مکالمہ اسی زبان میں زیادہ فنی حسن کا سبب ہوتا ہے۔ ناول "دھندلے کوس" میں مصنف نے بہت زیادہ علاقائی زبانوں کے الفاظ کو اپنے بیانیے کا حصہ بنایا ہے۔ اردو زبان میں سموئے گئے الفاظ اور ان کا استعمال دیکھیں۔

الفاظ	معنی	جملے میں استعمال	صفحہ نمبر
پٹکا	پگڑی	اس وقت وہ اپنے سر پہ سفید پٹکا باندھے۔۔۔۔نیچے یوں کھڑا تھا۔	09
بوچھن	دوپٹہ	زہرہ خانم اپنا بوچھن سنبھالتی ہوئی ڈائننگ ہال سے چلی گئیں۔	17
بگی	سفید	ایک بگی داڑھی والا چوکیدار جس نے سر پر گیروے رنگ کی پگڑی باندھی ہوئی تھی۔	19
جوہ، وڈکے	نشیب جہاں سرکنڈے اگ آئیں، اجداد	ہمارے وڈکے تو کہتے ہیں اس جوہ میں شیر بھی ہوتے تھے	21
ڈاچیاں	اونٹنیاں	ان کی مار تو اونٹ اور ڈاچیاں بھی برداشت نہیں کر سکتیں	25
کھونڈی	سہارے کے لیے چھڑی (عصا)	بوڑھا دادا اٹھنے کے لیے اپنی کھونڈی تلاش کر رہا تھا۔	56
سجری، رڑک	سویرے، بلونا	رحمت میرے پتر کو سجری لسی رڑک کے پلا	56
ڈولے	مٹی کا برتن	مٹی کے ڈولے میں دہی ڈال کر لسی بنانے لگی	56
تنور	تندور	صحن کے ایک کونے میں کھڑے تنور میں لکڑیاں ڈالتے ہوئے کہا۔	57
پُتر	بیٹا	ہاں پتر تیری دعا سے	57
مانیاں	تولنے کا پیمانہ (16) من کی ایک مانی ہوتی ہے	پچاس مانیاں گندم ہوئی ہے۔	57
کھلواڑے	کھلیان	آدھی تو اس دفعہ کھلواڑے سے ہی بیچ دی۔	57
چھپڑی	پانی کا چھوٹا تالاب	ایک چھپڑی کے پاس کچھ کتے بھونک رہے تھے۔	57

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

پوشل	دم(پوچھل)	ایک بھینس نے کیچڑ کا بھرا ہوا پوشل جو گھمایا۔	57
ڈھارے	چھپر	چھوٹے چھوٹے ڈھارے	57
پکی تھاں	لفظی معنی پختہ جگہ محاورہ میں جنات کا بسیرا	یہ تو بڑی پکی تھاں ہے تمہیں ڈر نہیں لگتا۔	66
لیر	کپڑے کی پٹی (ٹکڑا) دھجی	اسے کسی لیر میں باندھ کر فرجام کے بازو پر باندھ دو	66
داکھ	کشمش	جیسے پکی ہوئی داکھ	71
لانگڑ، تو تیڑی سونچل، کلاوہ	دھوتی، ایک طرح کا زیور (تعویذ) صحرائی گھاس، جتنا ہاتھوں اور بازوؤں میں اٹھایا جا سکے۔	پیر بخش لانگڑ کے لڑ باندھتا ہوا باہر نکلا پیر بخش نے گلے میں اپنی تو تیڑی درست کرتے ہوئے دروازے کے پاس سے سونچل کا کلاوہ بھر کے اونٹ کی ناند میں ڈالا	72
چُنی	دوپٹہ	چنی کے پلو سے ساگ کے چھوٹے چھوٹے پتے نکال کر چبا رہی تھی۔	72
ٹٹ پیناں	بد دعا ہے	ٹٹ پیناں دن کو بھی نہیں چھوڑتا	74
ویلا کویلا	وقت بے وقت	ڈنگروں کی طرح ویلا کویلا بھی نہیں دیکھتے	74
مرن جو گیا	مر جائے	لے مرن جو گیا یہ سارے کھا جا	75
چلھیانی	صحن میں کھانا بنانے کے لیے مخصوص جگہ جہاں چولھا بنا ہو۔	شام کو نابو جب چلھیانی میں روٹیاں لگانے کے لیے بیٹھتی	75
پھاہیاں	پھندے	کو ریارات کو راستوں میں پھاہیاں لگا آتا تھا۔	77

HARF-O-SUKHAN Urdu Research Journal of PAKISTAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.2 2021

کُنے	مٹی کی ہنڈیا	مٹی کے کنے میں گوشت چڑھا رہتا تھا	77
کیتی کرتی	کیا کرایا(Repute)	میری ساری عمر کی کیتی کرتی نہ خراب ہو	65
کنی	دوپٹہ کا کنارا یا پلو	مہراں نے خط دوپٹے کی کنی میں باندھتے ہوئے کہا۔	65
پوہلی	جڑی بوٹی کے بیج جس پر بے شمار کانٹے ہوتے ہیں	اس کی جینز سے پوہلی کے کانٹے نکال رہے تھے۔	67
رچھانی	نائی کا اوزار رکھنے کا بیگ، طبلہ حجام	خوشی نے اپنی رچھانی سمیت جو اس کے پرکھوں کی یادگار تھی۔	35
پھڈے باز	مسائل پیدا کرنے والا	ایک نمبر کا پھڈے باز ہے۔	35
بیج دیا	کاشت کرنا، اگانا	کنویں پر چارے کے ساتھ ہی بیج دیا تھا۔	57
ڈھاکے	ظرف مکاں / بیلا کا متضاد	اس ڈھاکے کے بیر بہت میٹھے ہوتے ہیں۔	96
میرے جوگی	صرف میرے لیے (تھوڑی یا کم)	سانولی روٹی تو صرف میرے جوگی ہے۔	124
ڈھنگے	پالان کے ٹکنے کی جگہ یا رسی کی وجہ سے ہونے والا زخم	اس کے ڈھنگے کے زخم پر آ بیٹھا	124
لانگڑ	دھوتی	اپنی لانگڑ اتار کر اوپر لے لیتا	124
کھندولیاں	سندھی میں رلی، پنجابی میں جلی، کپڑوں کو سی کر بنایا گیا بچھونا	سردیوں کے لیے ماں کے ساتھ مل کر کھندولیاں تیار کرتی تھیں۔	124

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.2 2021

کُھڈیں	سوراخ	مرجو اور لاری کرلوں کی کھڈیں تلاش کرنے لگے	126
بوتھی	منہ (چہرہ)	اپنی بوتھی اٹھا کے واپس یہاں نہ آتی بیکو نے اپنی سوٹی اٹھائی	129
بکروٹے	بکری کے بچے	ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے بکروٹے کو جاری کے اندر پھینک دیا۔	131
کھوہ، چھکے	کنواں، چھیکا	کھوہ پر کیسی کانٹے دار گالیاں دیں تو مجھے سانولی نے دودھ کی گڑوی ایک چھکے میں رکھتے ہوئے بتایا۔	132
سیوا	خدمت	سیوا کی ضرورت نہیں	180
ٹوبے	پانی کا تالاب	یہ آواز اس ٹوبے کی طرف سے آئی ہے۔	173
دب، دھماں	صحرائی گھاس	چھوٹی چھوٹی دب اور دھماں گھاس پر پہنچ گئے	173
سوچیں پیا	سوچنا	سوچیں پیاتے بندہ گیا۔	112
پیٹرنا	بیلنا	میں نے کون ساگنا پیڑنا ہے۔	270
سئیں (سائیں)	آج کل جناب کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ (شینہ کا بگڑا ہوا تلفظ ہے۔ مراد شیر)	(سائیں) سیئں ماش کی دال ہے۔	336
چھدری	تھوڑے بالوں والی	آنسو نکل کر اس کی چھدری داڑھی پر پھیلنے لگے	523
کھیا	سردار	سانولی کی مائی تو کھیا کے گھر گئی ہے۔	528

اردو زبان میں علاقائی زبان کے الفاظ کی شمولیت اردو زبان کی وسعت کا سبب ہے زندہ زبان میں اخذ و اکتساب کا عمل جاری رہتا ہے۔ یقیناً اچھا ادب دھرتی سے جڑا ہوتا ہے۔ دراصل زبان انسانی اعمال کے اظہار کا ذریعہ ہے یہ اعمال چونکہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں لہٰذا زبان بھی ہر لحظہ متغیر ہے۔

"ایک معیاری ادبی تخلیق میں زبان کئی جہتوں سے اور کئی سطحوں پر نمودار ہوتی ہے ادب میں زبان کا عمل خیال اور تجربے، حرکت اور تشکیل کو بھی ظاہر کرتا ہے"۔(14)

Vol 5 No.2 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

چونکہ ناول میں لسانی مواد اور ثقافتی سروکار دیگر ادبی اصناف سے بڑھ کر ہوتا ہے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاکستانی اردو ناول میں علاقائی زبانوں اور ثقافت کے اثرات موجود ہیں۔

حواشی:

1. دھندلے کوس، ارشد چہال، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد ۱۹۹۸ء ص ۱۷۹
2. ایضاً، ص ۷۹
3. بیاڑ گلی، ارشد چہال، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد ۲۰۰۴ء، ص (تعارف)
4. دھندلے کوس، ارشد چہال، دوست پبلی کیشنز اسلام آباد ۱۹۹۸ء ص ۵
5. ایضاً، ص ۹۶
6. ایضاً، ص ۳۶
7. ایضاً، ص ۴۲
8. آگ کا دریا: زبان و بیان، قرۃ العین حیدر، نئی دہلی ۲۱ دسمبر ۱۹۸۸ء، قرۃ العین حیدر خصوصی مطالعہ، مرتبین: سید عامر سہیل، شوکت نعیم قادری، بیکن بکس ملتان، لاہور ۲۰۰۳، ص ۳۲۰
9. ایضاً، ص ۳۳۵
10. ایضاً، ص ۳۵۲
11. اُردو کے جلوس میں فارسی کی چہل پہل، ڈاکٹر اسد اریب، ادبیات شمارہ: ۱۰۷، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۵ء، ص ۱۷۶
12. آگ کا دریا: زبان و بیان، قرۃ العین حیدر، نئی دہلی ۲۱ دسمبر ۱۹۸۸ء، قرۃ العین حیدر خصوصی مطالعہ، مرتبین: سید عامر سہیل، شوکت نعیم قادری، بیکن بکس ملتان، لاہور ۲۰۰۳، ص ۳۲۰
13. شینا ادب اور قومی شعور، ڈاکٹر عظمیٰ سلیم، خیابان جامعہ پشاور خزاں ۲۰۰۹ء، ص ۴۲
14. آگ کا دریا: زبان و بیان، قرۃ العین حیدر، نئی دہلی ۲۱ دسمبر ۱۹۸۸ء، قرۃ العین حیدر خصوصی مطالعہ، مرتبین: سید عامر سہیل، شوکت نعیم قادری، بیکن بکس ملتان، لاہور ۲۰۰۳، ص ۳۲۰

ماخذ:

1. ارشد چہال، دھندلے کوس، اسلام آباد: دوست پبلیکیشنز، 1998ء۔
2. نگینہ گل، آگ کا دریا۔ زبان و بیان، مشمولہ قرۃ العین حیدر خصوصی مطالعہ (سطور کتابی سلسلہ نمبر 4) مرتبین: سید عامر سہیل، شوکت نعیم قادری، ڈاکٹر نعمت الحق، ڈاکٹر علی اظہر، ملتان: بیکن بکس، 2003ء۔
3. اسد اریب ڈاکٹر 'اردو کے جلوس میں فارسی کی چہل پہل' مشمولہ ادبیات، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، شمارہ 107، اکتوبر تا دسمبر 2015ء۔
4. عظمیٰ سلیم ڈاکٹر، شینا ادب اور قومی شعور، مشمولہ خیابان، جامعہ پشاور (خزاں 2009ء)، ص 42